فیاض احمد

اسکالر پی ایچ۔ڈی اردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر گلشن طارق

ڈین آف لینگویجز، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

ظہیر کاشمیری کے مضامین میں ترقی پسندی کے عناصر

Fiaz Ahmed
Scholar Ph.D Urdu, Lahore Garrison University Lahore.
Dr. Gulshan Tariq
Dean of Languages, Lahore Garrison University Lahore.

Elements of progressivism in Zaheer Kashmiri's Essays

Zaheer Kashmiri is one of the leading personalities in the Urdu literature. He has created excellent literature in poetry, criticism and drama. He was an authoritative progressive thinker and writer. Throughout his life, he played an important role in the practical politics of the left, although his ghazal is painted in a classical color but his critique revolves entirely around progressive thought. His articles are key to progressive criticism of Urdu literature. In this article, elements of progressivism will be explored in his articles and it will be seen how he has looked at other poets and Urdu literature through progressive criticism.

Key Words: *Criticism, politics, progressivism, essay, society, Revolution.*

ظہیر کاشمیری اردو ادب کی نابغہ روزگار ہستیوں میں سے ایک اہم ہستی ہیں۔ انہوں نے شاعری، تنقید، کالم نگاری اور ڈرامہ نگاری میں درجہ کمال کا ادب تخلیق کیا ہے جو عصر حاضر کے کلاسک میں شمار کیا جاتا ہے۔ ظہیر کاشمیری فکر کے لحاظ سے ایک مستند ترقی پسند تھے۔ انہوں نے زندگی بھر بائیں بازو کی عملی سیاست میں اہم کردار ادا کیا۔ وہ انگریز کے دور حکومت اور قیام پاکستان کے بعد مارشل لاء کے ادوار میں اپنے بے باک اظہار اور عظمت انسان کے لیے بار بار پابند سلاسل رہے۔ ظہیر کاشمیری کی غزل اگرچہ کلاسیکی رنگ میں رنگی ہوئی ہے لیکن ان کی تنقید پوری طرح ترقی پسند فکر کے گرد گھومتی ہے۔ ان کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ "اردو ادب کے مادی نظریئے" اردو ادب کی ترقی پسند تنقید میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ جس سے انہیں پورے برصغیر میں شہرت ملی۔ یوں ظہیر کاشمیری سر تاپا ترقی پسندی میں لتھڑے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے کلیات کا عنوان "عشق و انقلاب" رکھا۔ ان کی

شاعری اور نثر، ترقی پسندی کے مثبت پہلو لیے ہوئے ہے۔ اس سے قبل کہ ظہیر کاشمیری کی نظم اور نثر میں ترقی پسندی کے عناصر کا ذکر کیا جائے، اس نکتے پر نظر ڈال لی جائے کہ ترقی پسندی اور ترقی پسند ادب کیا ہے۔

اپنے چاروں اور نظر دوڑائی جائے تو ہر ادیب، شاعر بالواسطہ یا بلاواسطہ اپنے سماج سے جڑا ہوا نظر آتا ہے اور وہ اپنے عہد کے انفرادی اور اجتماعی سطح پر درپیش سماجی فکری مسائل ہی سے اپنی لکھتوں کا مواد حاصل کرتا ہے۔ ادب کا مجموعی طور پر جائزہ لیا جائے تو بنیادی طور پر ادب کے تین بنیادی مکاتب فکر بنتے ہیں۔ عینیت پرستی کا مکتبہ فکر، آزاد خیالی کا مکتبہ فکر اور ترقی پسندی کا مکتبہ فکر۔ گزشتہ تین دہائیوں میں تخلیق کیے جانے والے ادب کا بڑا حصہ ترقی پسند ادب پر مشتمل ہے۔ پہلے دو مکتبہ فکر کو ایک طرف رکھتے ہوئے یہاں ترقی پسندی اور ترقی پسند ادب کا جائزہ لینا مقصود ہے۔ ترقی پسندی سے مراد ارتقاء کے فلسفے کو ہر نوعیت کے نظریات کی بنیاد تصور کرنا ہے۔ ترقی پسندی اور ترقی پسند ادب کا جائزہ لیتے ہوئے پروفیسر رشید مصباح اپنے تنقیدی مضامین کے مجموعے "تضادات" میں اس کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> " ترقی پسندی، جدلیاتی مادیت، تاریخی مادیت اور ارتقاء کی عینک سے انسانی معاشرے کے ہر پہلو کا جائزہ لیتی ہے اور اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ کوئی شے یا خیال مطلق نہیں ہے بلکہ ایک رنگ کی طرح دائرے میں چکر کاٹتا ہوا پستی سے بلندی کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔ اس طرح انسانی شعور اور سوچ میں ہمیشہ حرکت پذیر رہتے ہیں اور آگے کی طرف بڑھتے رہتے ہیں۔ "(۱)

ظہیر کاشمیری ترقی پسندی کے موضوع پر اس کے بنیادی محرکات کا جائزہ لیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> "ترقی پسندی کا تصور مقامی اور وقتی نہیں بلکہ ہمہ گیر اور عمومی ہے۔ اس کا تعلق اولاً انسانی ارتقاسے ہے۔ اس کا تعلق دنیا کے ہر نو مولود صالح اور افادی قوتوں کی عکاسی کر کے انہیں شہرتِ دوام بخشتا ہے، بہتر مستقبل کی بشارت دیتا ہے اور اسے قریب تر لانے کا دعوے دار، ترقی پسند ادب ہے۔"(۲)

مذکورہ بالا دونوں حوالوں سے یہ متعین ہو جاتا ہے کہ ترقی پسندی کی عمارت کے اینٹ روڑے سماج کے ارتقاء، جدلی مادیت، داخل اور خارج کے ٹکراؤ اور وحدت اضداد کے فلسفیانہ قوانین کی بنیاد ہیں۔ ترقی پسندی،

سماجیات، معاشیات، سیاسیات، اخلاقیات اور ادب سمیت تمام علوم کی بنیاد سمجھی جاتی ہے۔ ظہیر کاشمیری نے اس نکتہ نظر اور فلسفے کو ادب کا بنیادی پتھر قرار دیتے ہوئے اپنی تمام ادبی تخلیقات کو جنم دیا ہے۔ اس لحاظ سے ظہیر کاشمیری سر تا پا ایک ترقی پسند شاعر، ادیب اور نقاد ہیں۔ ظہیر کاشمیری ترقی پسند نقادوں میں اہم ترین نقاد ہیں اور ان کی کتاب "ادب کے مادی نظریئے" اردو تنقید کی شہرہ آفاق کتابوں میں سے ایک ہے۔ نقاد ہونے کے سبب انہوں نے اپنے چار شعری مجموعوں کے دیباچے اور کلیات کا دیباچہ خود ہی تحریر کیے ہیں۔ ان دیباچوں میں انہوں نے اپنی شاعری پر کم تبصرہ کیا ہے اور اردو شاعری کے مختلف ادوار، اس کے عناصر اور زبان و بیاں کا تفصیلی تجزیہ کیا ہے، جنہیں پڑھ کے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ شاعر نہیں بلکہ صرف نقاد ہیں جو تاریخ کے ارتقائی مراحل کے داخلی اور خارجی عناصر کا جدلیاتی مادیت کے پس منظر میں تجزیہ کرتے ہیں۔

ظہیر کاشمیری کا شاعری میں مقام تو مسلمہ ہے۔ ان کے نظریات کی قلعی ان کے دو تنقیدی مجموعوں "ادب کے مادی نظریئے" اور "جہان آگہی" میں پوری طرح کھلتی ہے۔ "ادب کے مادی نظریئے" کا پہلا ایڈیشن ۱۹۵۲ میں شائع ہوا جس میں کل چھ مضامین ہیں جن میں سے کچھ قیام پاکستان سے پہلے لکھے گئے اور کچھ قیام پاکستان کے فوراً بعد۔ اس تنقیدی مجموعے کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۵ میں شائع ہوا جس میں مزید تین مضامین کا اضافہ کر کے کل نو مضامین شائع کیے گئے۔ ان کی دوسری تنقیدی کتاب "جہان آگہی" ۱۹۸۸ میں شائع ہوگئی۔ اس ضخیم کتاب میں ان کے مختلف ادوار میں لکھے گئے تنقیدی مضامین، کتابوں کے دیباچے اور خطبات شامل ہیں۔ ان دونوں کتابوں کے مطالعے سے ہر نکتہ پوری طرح ابھر کر سامنے آتا ہے کہ ظہیر کاشمیری ادب کی کسی بھی تخلیق کا جائزہ لیتے ہوئے تمام سماجی علوم کی منطقوں میں داخل ہو کر ہر پہلو سے ادب کا تجزیہ کرتے ہیں اور وہ تمام سماجی علوم کے ترقی پسند پہلو کو اپنی تنقیدی فکر کا بنیادی نکتہ بناتے ہیں۔ ان کے نزدیک ادب غیب سے وارد نہیں ہوتا اور غیر مرئی خیالات کا مجموعہ نہیں ہوتا کیونکہ خیالات بھی مادی ہوتے ہیں۔ مادے کی حرکت عمل اور رد عمل سے جنم لیتی ہے اور اگر مادہ فنا ہو جائے تو خیالات بھی فنا ہو جائیں۔ اسی دلیل کی بنیاد پر ان کے نزدیک تمام خیالات، سوچ، فکر، اور ان سے پیدا ہونے والی کشمکش کے نتیجے میں سماجی عمل کے ذریعے وجود میں آتا ہے۔ سماجی عمل انفرادی نہیں ہوتا بلکہ اجتماعی ہوتا ہے۔ بظاہر ہر فرد کچھ تنہا بھی سوچ رہا ہوتا ہے اور جو خیالات اس کے ذہن میں جنم لیتے ہیں وہ اس کے اپنے ہوتے ہوئے بھی اس کے اپنے نہیں ہوتے کیونکہ فرد ہمیشہ سے اجتماع کا حصہ ہے اور اس کی سوچ اور عمل اجتماع کی حرکات و سکنات، سوچ،

فکر اور معاشرت میں وقوع پذیر ہونے والے حوادث وواقعات سے پوری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ یوں فرد کی سوچ دراصل اجتماعی سوچ کا ہی ایک حصہ ہے۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"اگر ادب کی بنیاد اجتماعیت قرار دی جائے تو زبان کے معیار کی تبدیلی ناگزیر بن جاتی ہے چنانچہ اسے طبقاتی تعصب سے نکال کر عوام کے اظہار کا ذریعہ بنانا ہو گا۔ یہ فرض فی الحال مذاق معلوم ہوتا ہے اور عملی اعتبار سے مشکل بھی ہے۔"(۳)

ظہیر کاشمیری انسانی سماج کے ارتقاء کو بنیادی اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک جس طرح انسانی سماج، قبیلے، جاگیرداری، غلام داری اور بادشاہت سے گزرتا ہوا سرمایہ داری کے دور میں پہنچا ہے اسی طرح ادب نے بھی ارتقاء کی مختلف منازل طے کی ہیں۔ اردو شاعری میں ان منزلوں کی نشاندہی پندرہویں صدی عیسوی سے لے کر اکیسویں صدی عیسوی تک کے مختلف ادوار کے ذریعے ہوتی ہے۔ ولی دکنی، میر تقی میر، غالب، اقبال، فیض احمد فیض اور احمد فراز کی شاعری، جو کہ اردو کی نمائندہ شاعری ہے۔ اپنے مختلف ادوار کی نشاندہی کرتی ہے اور پتہ دیتی ہے کہ زبان، مافیا(مواد)، محاوروں، تشبیہ و استعارہ اور جمالیاتی پہلوؤں سے مختلف ادوار میں بٹی ہوئی ہے اور وقت بدلنے کے ساتھ ساتھ خارج سے متاثر ہو کر داخل کی ہیئت کو بھی تبدیل کرتی چلی آتی ہے۔ یوں شاعری، ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف مسلسل سفر کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ارتقاء کے اس اصول کے سبب ادب میں مسلسل نکھار پیدا ہوتا ہے اور ماضی کی ساری شاعری میں سے صرف اسی کو کلاسک کا درجہ حاصل ہو پاتا ہے جو اپنے عہد کے فکری، فنی اور جمالیاتی مسائل اور پہلوؤں کا پورے ہوش و حواس کے ساتھ حقیقی سطح پر جائزہ لیتے ہوئے اپنے دامن میں سمیٹتی ہے۔ ظہیر کاشمیری اس حوالے سے رقمطراز ہیں:

"ہد جاگیرداری میں اعلیٰ تعلیم، شخصی آزادی، آئین پسندی ان امور کا تصور یقیناً بے معنی ہے۔ عوام جاہل تھے۔ شعر و ادب کا ان سے عملاً کوئی تعلق نہیں تھا۔ شاعر مجبور تھا کہ کسب معاش کے لیے دربار خاص کا دروازہ کھٹکھٹائے اور کجکلاہ کی شان میں قصیدے کہتے کہتے دم توڑ دے ــــــــــ سماجی انقلابات کے باعث لوگوں کے ذہنوں پر یاسیت چھائی ہوئی تھی۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔ اکبر الہٰ آبادی نے محسوس کیا کہ قنوطیت بحران کا صحیح حل نہیں ہے، سینہ کوبی مستقل پروگرام نہیں بن سکتی۔ اس نے

نیم سیاسی شعور کے ماتحت تنقیدی انداز اختیار کر لیا ———— اقبال کے ہاں شکلِ شعر عموماً پرانی ہی تھی، لیکن اب زندگی تیز، تجربات زیادہ اور احساس کی فراوانی نے نئی تکنیک کو جنم دیا ———— جدید شاعر آزاد تھا اور اپنی جماعت سے خارج ہونے کے بعد انقلابی، وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ بحور و قوافی سد راہ نہیں ہو سکتے تھے۔ شکلِ شعر میں اہم تبدیلیاں آگئیں۔"(۴)

ظہیر کاشمیری اردو نثر کا تجزیہ کرتے ہوئے اس پر بین الاقوامی ادب کے گہرے اثرات کو حد سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں کہ اردو زبان کو نثر سے مغرب کی زبانوں نے متعارف کروادیا۔ یورپی اور روسی ادیبوں کے اردو نثر پر اثرات کا پوری طرح جائزہ لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک فرانسیسی افسانے اور روسی ناول نے گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اردو نثر غیر ملکی نثر کا چربہ ہے بلکہ یہ عمل اسلوب، ہیئت اور کرافٹ کے حوالے سے ہے۔ اردو میں لکھا جانے والا افسانہ، ناول، ڈرامہ اور دیگر اصناف کا مواد مقامی تہذیب و تمدن سے ہی پھوٹا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ جوں جوں اردو نثر نگاروں کے فکر اور شعور میں اضافہ ہوتا چلا گیا، اردو نثر کے مواد میں گہرائی اور گیرائی آتی چلی گئی اور تمام سماجی علوم نے اس پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ وہ لکھتے ہیں:

"ادیبوں نے بھی ملک کے دیگر باشندوں کی طرح مرگ مفلسی سے بچنے کے لیے معاش کے مستقل ذریعے تلاش کرنا شروع کر دیئے۔ چراغ حسن حسرت، جذبی، فیض، تاثیر، حفیظ جالندھری وغیرہ سرکاری جبکہ جوش، کرشن چندر، ظہیر کاشمیری، راجندر سنگھ بیدی اور اختر الایمان وغیرہ فلم کمپنیوں میں ملازم ہوگئے۔ ان میں اکثر ادیب ہول ٹائمر تھے۔ ان کے پیشہ کی تبدیلی نے ادب کی جامعیت اور تنوع کو نقصان تو پہنچایا لیکن اس عرصہ میں جو کچھ بھی لکھا گیا وہ پہلے کی نسبت زیادہ سلجھا ہوا اور زیادہ تیز ہے۔"(۵)

ظہیر کاشمیری ادب کی تخلیق میں مواد کو ہیئت پر فوقیت دیتے ہیں۔ ان کے ہاں مواد وہ بنیادی عنصر ہے جس کے اظہار کے لیے ہیئت کا سہارا لیا جاتا ہے۔ لہٰذا ہر دور میں بدلتے ہوئے حالات و واقعات کے سبب نیا مواد، نئے رنگ میں تشکیل پاتا ہے اور ہر مواد اپنے ساتھ نئی ہیئت لے کر سامنے آتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں

کہ ہیئت ایک غیر ضروری عنصر ہے۔ ہیئت مواد کو عمدہ سے عمدہ ترین طریقے سے ادبی سانچے میں ڈھالنے کا بنیادہ نکتہ ہے اور ایک اچھا ادیب یا شاعر لگے بندھے ہیئت کے سانچوں کی پابندی کرنے کی بجائے مواد کی ضرورت کے حساب سے نت نئے ہیئتی سانچے تراشتا ہے تاکہ جس عہد میں وہ ادب تخلیق کیا جارہا ہو اس عہد کی تمام تر مثبت جمالی قدریں مواد کو واضح انداز میں نکھار کر بیان کرنے کا سبب نہیں۔ ظہیر کاشمیری اپنے مضمون " غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے " میں اسد اللہ خاں غالب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> " مرزا صاحب کے فن کا کینوس بہت وسیع ہے۔ وہ ایک طرف اگر ہجر و وصال کے ذاتی احساسات کو داستانِ انجمن بنا دیتے ہیں تو دوسری طرف کائنات کی منطقی صداقتوں کو بھی اپنے فن میں سمو دیتے ہیں۔ ان کے ہاں بات ذاتی ہو یا کائناتی، دلکش اور منفرد اسلوب کے باعث عمومیت کا رنگ لیے ہوئے ہوتی ہے، اور زمان و مکان کی قیود توڑ کر ہمہ گیر تاثیر کی حامل بن جاتی ہے۔ "(۶)

عینیت پرستوں اور آزاد خیال مکتبہ فکر کے سرپنچوں کا خیال ہے کہ اخلاقیات اور جمالیات پوری طرح مطلق ہیں لیکن ترقی پسند نکتہ نظر اس سے بالکل الٹ ہے۔ ظہیر کاشمیری بھی ایک ترقی پسند ادیب اور نقاد کی حیثیت سے یہ سمجھتے ہیں کہ اخلاقیات اور جمالیات ہر طبقے اور ہر عہد کی اپنی اپنی ہوتی ہیں۔ اخلاقیات اور جمالیات کے تالاب پانی کی طرح ٹھہری ہوئی نہیں ہوتیں بلکہ دریا کے پانی کی طرح روانی میں ہوتی ہیں اور اپنے عہد کی سیاسی، سماجی اور معاشی عمل کی تابع ہوتی ہیں۔ جس طرح ان میں تبدیلی ہوتی چلی جاتی ہے اس لحاظ سے اخلاقی اور جمالیاتی پہلوؤں میں بھی بدلاؤ ہوتا رہتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کچھ تبدیلیوں کا دائرہ عمل مختصر ہوتا ہے اور کچھ اخلاقی اور جمالیاتی قدریں دیر تک اپنا وجود قائم رکھتی ہیں۔ اس حوالے سے ظہیر کاشمیری کا کہنا ہے:

> " دنیا کے تمام مفکرین، حکماء اور انبیاء موجودہ دور تک عدم تشدد، انسان دوستی اور انسانی خدمت کی تبلیغ کرتے تھے لیکن دوسری جنگِ عظیم نے ان تمام نظریات پر کالی سیاہی پھیر دی۔ "(۷)

ترقی پسند ادب طبقاتی کشمکش، ظالم اور مظلوم کے درمیان لڑائی، اور اس حوالے سے اٹھنے والی سماجی، سیاسی تحریکوں کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ لیکن ترقی پسند ادب کے زیادہ تر موضوعات اپنی نکات سے جڑے ہوتے

ہیں۔ ترقی پسند تحریک کا ایک اہم نکتہ لوٹ کھسوٹ کے موجودہ نظام کو ختم کر کے ایک ایسے نئے سماج کی تشکیل دیتا ہے جس میں کرہ ارض پر بسنے والا ہر انسان سماج کے تمام وسائل سے استفادہ کرنے کا مفاد رکھتے ہوئے آسودہ زندگی گزار سکے۔ ظہیر کاشمیری کی تخلیقات میں سیاسی، معاشی اور طبقاتی تضاد کے خلاف آواز اٹھانے کا پہلو سب سے نمایاں ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ادب سے حظ اٹھانے کے پہلو کے ساتھ ساتھ سماج کو بدلنے کے لیے انسان کو انفرادی اور اجتماعی سطح پر شعور کی بلند سطح پر ہونا چاہیے اور ادب کو اس میں اہم کردار ادا کرنا ہے۔ ظہیر کاشمیری اس حوالے سے رقمطراز ہیں:

> "اشتمالی منشور میں مارکس اور اینگلز نے لکھا، گزشتہ معاشرہ کی تاریخ جماعتی جنگ کی تاریخ ہے۔ آزاد غلام، رومن امیر، رومن غلام، جاگیر دار، کسان، صناع، گشتی تاجر ـــــ مختصراً ظالم اور مظلوم مستقل طور پر ایک دوسرے سے بہم دست و گریبان رہے۔ کبھی جنگ اعلانیہ ہوتی تھی اور کبھی خفیہ۔ بہر حال یہ قضیے یا تو انقلاب کی صورت اختیار کر لیتے اور نیا معاشرہ تعمیر ہو جاتا یا دونوں جماعتیں تباہ ہو جاتیں۔"(۸)

ظہیر کاشمیری، جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، ارتقاء، جدلی مادیت، تاریخی مادیت اور ظالم و مظلوم کے درمیان پائے جانے والے تفاوت کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اس کا نام ترقی پسندی ہے۔ لہٰذا ظہیر کاشمیری نے شاعری، تنقید، صحافت اور ڈرامہ نگاری کے شعبے میں جو کچھ بھی تخلیق کیا اس میں ترقی پسندی کے عناصر پوری صراحت کے ساتھ شامل کیے اور مارکسی فلسفے، ترقی پسندی کو انسانی فلاح کا سب سے اہم نظریہ قرار دیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ رشید مصباح، پروفیسر، تضادات، جدت پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۴، ص ۱۲

۲۔ ظہیر کاشمیری، میری زندگی اور میرا فن (دیباچہ)، مشمولہ: عظمتِ آدم، سویرا آرٹ پریس، لاہور، ۱۹۵۵ء، ص ۱۲

۳۔ ظہیر کاشمیری، ادب کے مادی نظریئے، کمال پبلشرز، لاہور، ۱۹۵۲ء، ص ۳۰

۴۔ ایضاً، ص ۳۷-۳۶

۵۔ ایضاً، ص ۱۰۵

۶۔ ظہیر کاشمیری، جہان آگہی، مکتبہ میری لائبریری، ۱۹۸۸ء، صفحہ ۱۶

۷۔ ایضاً، ص ۵۰

۸۔ ایضاً، ص ۸۰